اور اپنا پیٹ بھرے بہ نسبت اس کے کہ سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا پھرے۔ تیسری حدیث میں ہے کہ جس کے پاس کھانے کو ہو یا جو کمانے کی طاقت رکھتا ہو اس کا یہ کام نہیں ہے کہ زکوٰۃ لے۔ لیکن یہ اولوالعزمی کی تعلیم ہے۔ رہا قانون تو اس میں ایک آخری حد بتانی ضروری ہے کہ کہاں تک آدمی زکوٰۃ لینے کا حق دار ہو سکتا ہے۔ سو وہ دوسری حدیثوں میں ملتا ہے۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ للسائل حق وان جاء علی الفرس۔ یعنی سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آیا ہو۔ ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میرے پاس ۱۰ روپے ہیں۔ کیا میں مسکین ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ ایک مرتبہ دو آدمیوں نے آ کر حضورؐ سے زکوٰۃ مانگی۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر انہیں غور سے دیکھا۔ پھر فرمایا۔ اگر تم لینا چاہتے ہو تو میں دے دوں گا، لیکن اس مال میں غنی اور کمانے کے قابل ہٹے کٹے لوگوں کا حصہ نہیں ہے۔ ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بقدر نصاب مال سے کم رکھتا ہو وہ فقراء کے ذیل میں آجاتا ہے اور اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زکوٰۃ لینے کا حق دراصل اصلی حاجت مندوں ہی کو پہنچتا ہے۔

زکوٰۃ کے ضروری احکام میں نے بیان کر دیے ہیں۔ لیکن ان سب کے ساتھ ایک اہم اور ضروری چیز اور بھی ہے جس کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور مسلمان آج کل اس کو بھول گئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اسلام میں تمام کام نظام جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ انفرادیت کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ آپ مسجد سے دور ہوں اور الگ نماز پڑھ لیں تو ہو جائے گی مگر شریعت تو یہی چاہتی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اسی طرح الگ الگ زکوٰۃ نکالنا اور خرچ کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ زکوٰۃ کو ایک مرکز پر جمع کرنا چاہیے تاکہ وہاں سے ایک ضابطہ کے ساتھ خرچ ہو۔ اسی چیز کی طرف قرآن مجید میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا خذ من اموالھم

صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ اُن سے زکوٰۃ وصول کریں۔ مسلمانوں سے یہ نہیں فرمایا کہ تم زکوٰۃ نکال کر الگ الگ خرچ کر دو۔ اسی طرح عاملین زکوٰۃ کا حق مقرر کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام اس کو باقاعدہ وصول کرے اور باقاعدہ خرچ کرے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امرت ان آخذ الصدقۃ من اغنیاءکم وارد ھا فی فقراءکم۔ یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے فقراء میں تقسیم کروں۔ اسی طریقہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا عمل بھی تھا۔ تمام زکوٰۃ حکومت اسلامی کے کارکن جمع کرتے تھے اور مرکز کی طرف سے اس کو تقسیم کیا جاتا تھا۔ آج اگر اسلامی حکومت نہیں ہے اور زکوٰۃ جمع کر کے باضابطہ تقسیم کرنے کا انتظام بھی نہیں ہے تو آپ علیحدہ علیحدہ اپنی زکوٰۃ نکال کر شرعی مصارف میں خرچ کر سکتے ہیں، مگر تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ زکوٰۃ جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے لیے ایک اجتماعی نظام بنانے کی فکر کریں، کیونکہ اس کے بغیر زکوٰۃ کی فرضیت کے فوائد ادھورے رہ جاتے ہیں۔

حج

برادران اسلام - پچھلے خطبات میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے متعلق آپکو تفصیل کے ساتھ بتایا جا چکا ہے کہ یہ عبادتیں انسان کی زندگی کو کس طرح اسلام کے سانچے میں ڈھالتی اور اُسکو اللہ کی بندگی کے لیے تیار کرتی ہیں - اب اسلام کی فرض عبادتوں میں سے صرف حج باقی ہے جس کے فائدے مجھے آپکے سامنے بیان کرنے ہیں -

حج کے معنی عربی زبان میں زیارت کا قصد کرنے کے ہیں - حج میں چونکہ ہر طرف سے لوگ کعبہ کی زیارت کا قصد کرتے ہیں، اسلیے اس کا نام حج رکھا گیا - سب سے پہلے اس کی ابتدا جس طرح ہوئی اس کا قصہ بڑا سبق آموز ہے - اس قصے کو غور سے سنیے تاکہ حج کی حقیقت اچھی طرح آپکے ذہن نشین ہو جائے - پھر اسکے فائدوں کا سمجھنا آپکے لیے آسان ہوگا -

کون مسلمان، عیسائی یا یہودی ایسا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے واقف نہ ہو؟ دنیا کی دو تہائی سے زیادہ آبادی اُن کو اپنا پیشوا مانتی ہے - حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہم وسلم، تینوں اُنہی کی اولاد سے ہیں - اُنہی کی روشن کی ہوئی شمع سے دنیا بھر میں ہدایت کا نور پھیلا ہے - چار ہزار برس سے زیادہ مدت گزری جب وہ عراق کی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے - اُس وقت ساری دنیا خدا کو بھولی ہوئی تھی - روئے زمین پر کوئی انسان ایسا نہ تھا جو اپنے اصلی مالک کو پہچانتا ہو اور اُسکے آگے اطاعت و بندگی میں سر جھکاتا ہو - جس قوم میں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں اگرچہ اُس زمانہ میں دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی، لیکن گمراہی میں بھی

وہی سب سے آگے تھی۔ علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں خوب ترقی کر لینے کے باوجود اُن لوگوں کو اتنی ذرا سی بات نہ سوجھتی تھی کہ مخلوق کبھی معبود ہونے کا اہل نہیں ہوسکتا۔ اُن کے ہاں ستاروں اور بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ نجوم، فال گیری، غیب گوئی، جادو ٹونے، اور تعویذ گنڈے کا خوب چرچا تھا۔ جیسے آج کل ہندوؤں میں پنڈت اور برہمن ہیں، اسی طرح اُس زمانہ میں بھی پُجاریوں کا ایک طبقہ تھا جو مندروں کی محافظت بھی کرتا، لوگوں کو پوجا بھی کراتا، شادی اور غمی وغیرہ کی رسمیں بھی ادا کرتا اور غیب کی خبریں بھی لوگوں کو بتانے کا ڈھونگ رچاتا تھا۔ عام لوگ انکے پھندے میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ انہی کو اپنی اچھی اور بری قسمت کا مالک سمجھتے تھے، انہی کے اشاروں پر چلتے تھے، اور بے چون وچرا ان کی خواہشات کی بندگی کرتے تھے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دیوتاؤں کے ہاں ان پجاریوں کی پہنچ ہے، یہ چاہیں تو ہم پر دیوتاؤں کی عنایت ہوگی ورنہ ہم تباہ ہو جائینگے۔ پجاریوں کے اِس گروہ کے ساتھ بادشاہوں کی ملی بھگت تھی۔ عام لوگوں کو اپنا بندہ بنا کر رکھنے میں بادشاہ پجاریوں کے مددگار تھے اور پجاری بادشاہوں کے۔ ایک طرف حکومت اِن پجاریوں کی پشت پناہی کرتی تھی، اور دوسری طرف یہ پجاری لوگوں کے عقیدہ میں یہ بات بٹھاتے تھے کہ بادشاہ وقت بھی خداؤں میں سے ایک خدا ہے۔ ملک اور رعیت کا مالک ہے۔ اُس کی زبان قانون ہے، اور اُس کو رعایا کی جان ومال پر ہر قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ بادشاہوں کے آگے پورے بندگی کے مراسم بجالائے جاتے تھے تاکہ رعایا کے دل ودماغ پر اُن کی خدائی کا خیال مسلط ہو جائے۔

ایسے زمانے اور ایسی قوم میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ اور لطف یہ ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ خود پُجاریوں کا گھرانا تھا۔ انکے باپ دادا اپنی قوم کے پنڈت اور برہمن تھے۔ اُس گھر میں وہی تعلیم اور وہی تربیت اُن کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے کو ملا کرتی ہے۔ اسی

قسم کی باتیں بچپن سے کانوں میں پڑتی تھیں۔ وہی پیروں اور پیرزادوں کے سے رنگ ڈھنگ اپنے بھائی بندوں اور برادری کے لوگوں میں دیکھتے تھے۔ وہی مندر کی گدّی اُنکے لیے تیار تھی جس پر بیٹھ کروہ اپنی قوم کے پیشوا بن سکتے تھے۔ وہی نذرو نیاز اور چڑھاوے جن سے ان کا خاندان مالامال ہورہا تھا، ان کے لیے بھی حاضر تھے۔ اسی طرح لوگ ان کے سامنے بھی ہاتھ جوڑنے اور عقیدت سے سر جھکانے کے لیے موجود تھے۔ اسی طرح دیوتاؤں سے رشتہ ملا کر اور غیب گوئی کا ڈھونگ رچا کروہ ادنیٰ کسان سے لیکر بادشاہ تک ہر ایک کو اپنی پیری کے پھندے میں پھانس سکتے تھے۔ اس اندھیرے میں اجہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور ماننے والا موجود نہ تھا" نہ تو انکو حق کی روشنی ہی کہیں سے مل سکتی تھی، اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کام تھا کہ اس قدر زبردست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی کے پیچھے دنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہوجاتا۔

مگر حضرت ابراھیم کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ کسی اور ہی مٹی سے ان کا خمیر بنا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ سورج، چاند اور تارے جو خود غلاموں کی طرح گردش کر رہے ہیں، اور یہ پتھر کے بت جن کو آدمی خود اپنے ہاتھ سے بناتا ہے، اور یہ بادشاہ جو ہمیں جیسے انسان ہیں، آخر یہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں؟ جو بے چارے خود اپنے اختیار سے جنبش نہیں کر سکتے، جن میں آپ اپنی مدد کرنے کی بھی قدرت نہیں، جو اپنی موت اور زیست کے بھی مختار نہیں، اُنکے پاس کیا دھرا ہے کہ انسان انکے آگے عبادت میں سر جھکائے، اُن سے اپنی حاجتیں مانگے، اُن کی طاقت سے خوف کھائے اور انکی خدمت گاری و فرمانبرداری کرے؟ زمین اور آسمان کی جتنی چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں، یا جن سے کسی طور پر ہم واقف ہیں، ان میں سے تو کوئی بھی ایسی نہیں جو خود محتاج نہ ہو، جو خود کسی بڑی طاقت سے دبی ہوئی نہ ہو، اور جس پر کبھی نہ کبھی زوال نہ آتا ہو۔ پھر جب ان سب کا یہ حال ہے تو ان میں سے کوئی رب کیسے ہو سکتا ہے؟ جب ان میں سے کسی نے مجھ کو پیدا نہیں کیا، نہ کسی کے ہاتھ میں میری

موت اور زیست کا اور میرے نفع اور نقصان کا اختیار ہے، نہ کسی کے ہاتھ میں رزق اور حاجت روائی کی کنجیاں ہیں، تو میں ان کو رب کیوں مانوں اور کیوں ان کے آگے بندگی و اطاعت میں سر جھکاؤں؟ میرا رب تو وہی ہو سکتا ہے جس نے سب کو پیدا کیا، جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے اختیار میں سب کی موت و زیست اور سب کا نفع و نقصان ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ جن معبودوں کو میری قوم پوجتی ہے ان کو میں ہرگز نہ پوجونگا، اور اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد انہوں نے علی الاعلان لوگوں سے کہدیا کہ اِنِّی بَرِیٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ "جن کو تم خدائی میں اللہ کا شریک ٹھیراتے ہو اُن سے میرا کوئی واسطہ نہیں" اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ "میں نے تو سب سے منہ موڑ کر اس ذات کو عبادت و بندگی کے لیے خاص کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والا نہیں ہوں"۔

اس اعلان کے بعد حضرت ابراہیم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ باپ نے کہا کہ میں عاق کردونگا اور گھر سے نکال باہر کرونگا۔ قوم نے کہا کہ ہم میں سے کوئی تمہیں پناہ نہ دیگا۔ حکومت بھی ان کے پیچھے پڑ گئی اور بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ مگر وہ یکہ و تنہا انسان سب کے مقابلہ میں سچائی کی خاطر ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ باپ کو ادب سے جواب دیدیا کہ جو علم میرے پاس ہے وہ تمہیں نہیں ملا اسلیے بجائے اسکے کہ میں تمہاری پیروی کروں، تمہیں میری پیروی کرنی چاہیے۔ قوم کی دھمکیوں کے جواب میں اسکے بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ثابت کردیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو وہ خود کس قدر بے بس ہیں۔ بادشاہ کے بھرے دربار میں جا کر صاف کہہ دیا کہ تو میرا رب نہیں ہے بلکہ وہ ہے جسکے ہاتھ میں میری اور تیری زندگی و موت ہے اور جسکے قانون کی بندش میں سورج تک جکڑا ہوا ہے۔ آخر شاہی دربار سے فیصلہ ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا ڈالا جائے۔ مگر وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط دل رکھنے والا انسان، جو خدائے واحد پر ایمان لا چکا تھا، اس ہولناک سزا کو بھگتنے کے لیے بھی تیار ہو گیا، اور جب اللہ نے اپنی قدرت سے اس کو آگ میں جلنے

سے بچا لیا تو وہ اپنے گھر بار، عزیز اقارب، قوم اور وطن سب کو چھوڑ چھاڑ کر غریب الوطنی میں ملک ملک کی خاک چھاننے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ جس کے لیے اپنے گھر میں مہنت کی گدّی موجود تھی، جو اُس گدّی پر بیٹھ کر اپنی قوم کا پیر بن سکتا تھا اور دولت و عزت دونوں جس کے قدم چومنے کے لیے تیار تھیں، اور جو اپنی اولاد کو بھی اس مہنتی کی گدّی پر مزے لوٹنے کے لیے چھوڑ جا سکتا تھا، اس نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے جلا وطنی اور بے سروسامانی کی زندگی پسند کی، کیونکہ دنیا کو جھوٹے خداؤں کے جال میں پھانس کر خود مزے کرنا اسے گوارا نہ تھا، اور اسکے مقابلہ میں یہ گوارا تھا کہ ایک سچے خدا کی بندگی کی طرف لوگوں کو بلائے اور اس جرم کی پاداش میں کہیں چین سے نہ بیٹھ سکے۔

وطن سے نکل کر حضرت ابراہیم شام، فلسطین، مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس مسافرت کی زندگی میں ان پر کیا گذری ہوگی۔ مال و زر کچھ ساتھ لے کر نہ نکلے تھے۔ اور باہر نکل کر بھی اپنی روٹی کمانے کی فکر میں نہیں پھر رہے تھے بلکہ رات دن فکر تھی تو یہ تھی کہ لوگوں کو ہر ایک کی بندگی سے نکال کر صرف ایک خدا کا بندہ بنائیں۔ اس خیال کے آدمی کو جب اسکے اپنے باپ نے اور اسکی اپنی قوم نے برداشت نہ کیا تو اور کون برداشت کر سکتا تھا؟ کہاں اسکی آؤ بھگت ہو سکتی تھی؟ ہر جگہ وہی مندروں کے مہنت اور وہی خدائی کے مدعی بادشاہ موجود تھے، اور ہر جگہ وہی جاہل عوام بستے تھے جو اِن جھوٹے خداؤں کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے۔ اِن لوگوں کے درمیان وہ شخص کہاں چین سے بیٹھ سکتا تھا جو نہ صرف خود ہی خدا کے سوا کسی کی خدائی ماننے کے لیے تیار نہ تھا بلکہ دوسروں سے بھی علانیہ کہتا پھرتا تھا کہ ایک اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک اور آقا نہیں ہے، سب کی آقائی و خداوندی کا تختہ الٹ دو اور صرف اسکے بندے بن کر رہو؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو کسی جگہ قرار نصیب نہ ہوا۔ سالہا سال بے خانماں پھرتے رہے۔ کبھی کنعان کی بستیوں میں ہیں تو کبھی مصر میں اور کبھی عرب کے ریگستان میں۔ اسی طرح ساری جوانی بیت گئی اور کالے بال سفید ہوئے۔

اخیر عمر میں جب ۹۰ برس پورے ہونے میں صرف چار سال باقی تھے اور اولاد سے مایوسی ہو چکی تھی، اللہ نے اولاد دی۔ لیکن اس اللہ کے بندے کو اب بھی یہ فکر نہ ہوئی کہ خود خانماں برباد ہوا ہوں تو اب کم از کم اپنے بچوں ہی کو دنیا کمانے کے قابل بناؤں اور انہیں کسی ایسے کام پر لگا جاؤں کہ روٹی کا سہارا مل جائے۔ نہیں، اُس بوڑھے مسلمان کو فکر تھی تو یہ تھی کہ جس مشن کو پھیلانے میں خود اُس نے اپنی عمر کھپا دی تھی، کاش کوئی ایسا ہو جو اس کے مرنے کے بعد بھی اسی مشن کو پھیلاتا رہے۔ اسی غرض کے لیے وہ اللہ سے اولاد کا آرزو مند تھا، اور جب اللہ نے اولاد دی تو اس نے یہی چاہا کہ اپنے بعد اپنے کام کو جاری رکھنے کے لیے انہیں تیار کرے۔ اُس انسانِ کامل کی زندگی ایک سچے اور اصلی مسلمان کی زندگی تھی۔ ابتدائے جوانی میں ہوش سنبھالنے کے بعد ہی جب اس نے اپنے خدا کو پہچانا اور پالیا تھا تو خدا نے اس سے کہا تھا کہ اَسْلِمْ (اسلام لے آ، اپنے آپ کو میرے سپرد کر دے، میرا ہو کر رہ) اور اس نے جواب میں قول دیدیا تھا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (میں نے اسلام قبول کیا، میں رب العالمین کا ہو گیا۔ میں نے اپنے آپ کو اسکے سپرد کر دیا)۔ اِس قول و قرار کو اُس سچے آدمی نے تمام عمر پوری پابندی کے ساتھ نباہ کر دکھا دیا۔ اس نے رب العالمین کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور اسکی رسموں اور عقیدوں کو چھوڑا، دنیا کے ان سارے فائدوں کو چھوڑا جو مہنت کی گدی سنبھالنے سے حاصل ہو سکتے تھے، اپنے خاندان اور قوم اور وطن کو چھوڑا، اپنی جان کو آگ کے خطرے میں ڈالا، جلاوطنی کی مصیبتیں سہیں، ملک ملک کی خاک چھانی، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ رب العالمین کی اطاعت اور اسکے دین کی تبلیغ میں صرف کر دیا، اور بڑھاپے میں جب اولاد نصیب ہوئی تو اسکے لیے بھی یہی دین اور یہی کام پسند کیا۔ مگر ان آزمایشوں کے بعد ایک اور آخری آزمائش باقی رہ گئی تھی جس کے بغیر یہ فیصلہ نہ ہو سکتا تھا کہ یہ شخص دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر رب العالمین سے محبت رکھتا ہے۔ اور وہ آزمائش یہ تھی کہ اِس بوڑھاپے میں اجبکہ پوری مایوسی کے بعد اسے اولاد

نصیب ہوئی ہے، اپنے اکلوتے بیٹے کو رب العالمین کی خاطر قربان کرسکتا ہے یا نہیں ؟ چنانچہ یہ آزمائش بھی کرڈالی گئی، اور جب اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر آمادہ ہوگیا، تب فیصلہ فرمایا گیا کہ ہاں اب تم نے اپنے مسلم ہونے کے دعوے کو بالکل سچ کر دکھایا، اب تم اس کے اہل ہو کہ تمہیں ساری دنیا کا امام بنایا جائے۔ اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ (بقرہ - ۱۵)	اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورا اتر گیا تو فرمایا کہ میں تجھ کو انسانوں کا امام (پیشوا) بناتا ہوں۔ اس نے عرض کیا اور میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب دیا ان میں سے جو ظالم ہونگے انہیں میرا عہد نہیں پہنچتا۔

اس طرح حضرت ابراہیم کو دنیا کی پیشوائی سونپی گئی اور وہ اسلام کی عالمگیر تحریک کے لیڈر بنائے گئے۔ اب آنحضرت کو اس تحریک کی اشاعت کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت پیش آئی جو مختلف علاقوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں اور آپ کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے کام کریں۔ اس کام میں تین آدمی آپ کے لیے قوت بازو ثابت ہوئے۔ ایک آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام۔ دوسرے آپ کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام جنہوں نے یہ سن کر کہ رب العالمین ان کی جان کی قربانی چاہتا ہے خود اپنی گردن خوشی خوشی چھری کے نیچے رکھ دی تھی۔ تیسرے آپ کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام

بھتیجے کو آپ نے سدوم کے علاقہ میں بٹھایا، جسکو آج کل شرق اردن (ٹرانس جورڈینیا) کہتے ہیں۔ یہاں اُس وقت کی سب سے زیادہ باجی قوم رہتی تھی اسلیے اسکی اصلاح بھی مدنظر تھی، اور ساتھ ہی دور دراز کے علاقوں پر بھی اثر ڈالنا مقصود تھا کیونکہ ایران، عراق اور مصر کے درمیان آنے جانے والے تجارتی قافلے اسی علاقے سے گذرتے تھے اور یہاں بیٹھ کر دونوں طرف تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا جاسکتا تھا۔

چھوٹے صاحبزادے، حضرت اسحٰق کو کنعان کے علاقہ میں آباد کیا جس کو آج کل فلسطین کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ شام اور مصر کے درمیان واقع ہے، اور سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے دوسرے ملکوں پر بھی یہاں سے اثر ڈالا جاسکتا ہے۔ یہیں سے حضرت اسحٰق کے بیٹے حضرت یعقوب (جنکا نام اسرائیل بھی تھا) اور پوتے حضرت یوسف کی بدولت اسلام کی تحریک مصر تک پہنچی۔

بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو حجاز میں مکّہ کے مقام پر رکھا اور ایک مدت تک خود اُنکے ساتھ رہ کر عرب کے تمام گوشوں میں اسلام کی تعلیم پھیلائی۔ پھر یہیں دونوں باپ بیٹوں نے اسلامی تحریک کا وہ مرکز تعمیر کیا جو کعبہ کے نام سے آج ساری دنیا میں مشہور ہے۔ اس مرکز کا انتخاب اللہ تعالےٰ نے آپ فرمایا تھا اور خود ہی اس تعمیر کی جگہ تجویز کی تھی۔ یہ عمارت محض ایک عبادت گاہ ہی نہ تھی، جیسے مسجدیں عموماً ہوا کرتی ہیں، بلکہ اول روز ہی سے اس کو دین اسلام کی عالمگیر تحریک کا مرکز تبلیغ واشاعت قرار دیا گیا تھا، اور اس کی غرض یہ رکھی گئی تھی کہ ایک خدا کو ماننے والے ہر جگہ سے کھنچ کھنچ کر یہاں جمع ہوا کریں، مل کر خدا کی عبادت کریں، اور اسلام کا پیغام لیکر پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں۔ یہی اجتماع تھا جس کا نام "حج" رکھا گیا تھا۔ اِس کی پوری تفصیل کہ یہ مرکز کس طرح تعمیر ہوا، کن جذبات اور کن دعاؤں کے ساتھ دونوں باپ بیٹوں نے اس عمارت کی دیواریں اٹھائیں، اور کیسے حج کی ابتدا ہوئی، قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ وہی تھا جو مکّہ میں تعمیر
لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ	ہوا۔ برکت والا گھر، اور سارے جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت۔
اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ	اس میں اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور
كَانَ اٰمِنًا (آل عمران - ۱۰)	جو یہاں داخل ہوجاتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے۔
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا	کیا لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے کیسا پُرامن حرم بنایا ہے حالانکہ

وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت-۷)

اسکے گردوپیش لوگ اُچک لیے جاتے ہیں (یعنی جبکہ عرب میں ہر طرف لوٹ، مار، قتل، غارت گری اور جنگ وجدل کا بازار گرم تھا، اِس حرم میں ہمیشہ امن ہی رہا۔ حتیٰ کہ وحشی بدو تک اس کے حدود میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ پاتے تو اُس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرتے)

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ...... وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرہ ۱۵)

اور جب کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکز و مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے مقام عبادت کو جائے نماز بنالو اور ابراہیم اور اسمٰعیل کو ہدایت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنیوالے اور تجرّد کرنے والے اور رکوع و سجدہ کرنے والے لوگوں کے لیے پاک صاف رکھو، اور جبکہ ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار! اس شہر کو پُرامن شہر بنادے اور یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق بہم پہنچا، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والا ہو...... اور جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے کہ پروردگار ہماری اس کوشش کو قبول فرما، تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ پروردگار! اور تو ہم دونوں کو اپنا مسلم (اطاعت گزار) بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو اور ہمیں اپنی عبادت کا طریقہ بتا اور ہم پر بخشش کی نظر رکھ کہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پروردگار! اور تو ان لوگوں میں انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیجیو جو انہیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے، یقیناً تو بڑی قدرت والا ہے اور بڑا حکیم ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ۔ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراهیم - ٦)

اور جب کہ ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار! اس شہر کو پُر امن شہر بنا اور مجھے اور میرے بچوں کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار! ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، سو جو کوئی میرے طریقہ کی پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جو میرے طریقہ سے پھر جائے تو یقیناً تو غفور اور رحیم ہے۔ پروردگار! میں نے اپنی نسل کے ایک حصہ کو تیرے اس عزت والے گھر کے پاس اس بے آب و گیاہ وادی میں لا بسایا ہے تاکہ یہ نماز کا نظام قائم کریں، سو اے رب تو لوگوں کے دلوں میں ایسا شوق ڈال کہ وہ انکی طرف کھنچ کر آئیں اور انکو پھلوں سے رزق پہنچا، امید ہے کہ یہ تیرے شکر گذار بنیں گے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ (الحج - ۴)

اور جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر کی جگہ مقرر کی اس ہدایت کے ساتھ کہ یہاں شرک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور قیام کرنیوالوں اور رکوع اور سجدہ کرنیوالوں کے لیے پاک صاف رکھو، اور لوگوں میں حج کی عام منادی کردو کہ تمہارے پاس آئیں، خواہ پیدل آئیں یا ہر دور دراز مقام سے دبلی اونٹنیوں پر آئیں، تاکہ یہاں آکر وہ دیکھیں کہ ان کے لیے کیسے کیسے دینی و دنیوی منافع ہیں اور ان چند مقرر دنوں میں اُن جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیے ہوں، اللہ کا نام لیں (یعنی قربانی کریں) اور اس میں سے خود بھی کھائیں اور تنگ دست و محتاج لوگوں کو بھی کھلائیں۔

برادرانِ اسلام! یہ ہے اُس حج کی ابتدا کا قصہ جسے اسلام کا پانچواں رکن قرار دیا گیا ہے

اس سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ دنیا میں سب سے پہلے جس نبی کو اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے پر مامور کیا گیا تھا، مکّہ اُس کے مشن کا صدر مقام تھا اور کعبہ وہ مرکز تھا جہاں سے یہ تبلیغ دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچائی جاتی تھی، اور حج کا طریقہ اسلیے مقرر کیا گیا تھا کہ جو لوگ خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کریں اور اسکی اطاعت میں داخل ہوں، وہ خواہ کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں سب کے سب اِس ایک مرکز سے وابستہ ہو جائیں اور ہر سال یہاں جمع ہو کر اِس مرکز کے گرد طواف کریں، گویا ظاہر میں اپنی اِس باطنی کیفیت کا نقشہ جما دیں کہ انکی زندگی اُس پہیے کی طرح ہے جو ہمیشہ اپنے دُھرے کے گرد ہی گھومتا ہے۔

حج کی تاریخ

برادران اسلام۔ پچھلے خطبہ میں آپکو بتا چکا ہوں کہ حج کی ابتدا کس طرح اور کس غرض کے لیے ہوئی تھی۔ یہ بھی آپکو بتا چکا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو اسلامی تحریک کا مرکز بنایا تھا اور یہاں اپنے سب سے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بٹھایا تھا تاکہ آپکے بعد وہ اِس تحریک کو جاری رکھیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت اسماعیل کے بعد انکی اولاد کب تک اُس دین پر قائم رہی جس پر اُن کے باپ انکو چھوڑ گئے تھے۔ بہرحال چند صدیوں میں یہ لوگ اپنے بزرگوں کی تعلیم اور انکے طریقے سب بھول بھال گئے اور رفتہ رفتہ ان میں وہ سب گمراہیاں پیدا ہوگئیں جو دوسری جاہل قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی کعبہ میں جسکو ایک خدا کی پرستش کے لیے دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا گیا تھا، سینکڑوں بت رکھدیئے گئے اور غضب یہ کہ خود حضرت ابراہیم اور اسماعیل کو بھی بت بنا ڈالا گیا جنکی ساری زندگی بتوں ہی کی پرستش مٹانے میں صرف ہوئی تھی۔ ابراہیم حنیف کی اولاد نے لات، منات، ہُبَل، نَسر، یَغُوث، عُزّیٰ، اَساف، نائلہ اور خدا جانے کس کس نام کے بت بنائے اور انکو پوجا۔ چاند، عطارد، زہرہ، زحل اور معلوم نہیں کس کس ستارے کو پوجا۔ جن بھوت، پریت، فرشتوں اور اپنے مردہ بزرگوں کی روحوں کو پوجا۔ اور انکی جہالت کا زور یہاں تک بڑھا کہ جب گھر سے نکلتے اور اپنا خاندانی بت انہیں پوجنے کو نہ ملتا تو راستہ چلتے میں جو اچھا سا چکنا سا پتھر مل جاتا اسی کو پوج ڈالتے، اور پتھر بھی نہ ملتا تو مٹی کو پانی سے گوندھ کر ایک پنڈا سا بنا لیتے اور بکری کا دودھ چھڑکتے ہی وہ بے جان پنڈا اُن کا خدا بن جاتا۔ جس مہنت گری اور پنڈتائی کے خلاف اُن کے باپ ابراہیم علیہ السلام نے عراق میں لڑائی کی تھی، وہ خود انہی کے

گھر میں گھس آئی۔ کعبہ کو انہوں نے عرب کا ہردوار یا بنارس بنا لیا، خود وہاں کے مہنت بن کر بیٹھ گئے، حج کو تیرتھ جاترا بنا کر اُس گھر سے جو توحید کی تبلیغ کے لیے بنا تھا، بت پرستی کی تبلیغ کرنے لگے، اور پجاریوں کے سارے ہتھکنڈے اختیار کر کے انہوں نے عرب کے دور و نزدیک سے آنے والے جاتریوں سے نذر چڑھاوے وصول کرنے شروع کر دیے۔ اِس طرح وہ سارا کام برباد ہو گیا جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کر کے گئے تھے، اور جس مقصد کے لیے انہوں نے حج کا طریقہ جاری کیا تھا اُسکی جگہ کچھ اور ہی کام ہونے لگے۔

اس جاہلیت کے زمانہ میں حج کی جو گت بنی اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ یہ ایک میلہ تھا جو سال کے سال لگتا تھا۔ بڑے بڑے قبیلے اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ یہاں آتے اور اپنے اپنے پڑاؤ الگ ڈالتے۔ ہر قبیلے کا شاعر یا بھاٹ اپنی اور اپنے قبیلے والوں کی بہادری، ناموری، عزت، طاقت اور سخاوت کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتا، اور ہر ایک ڈینگیں مارنے میں دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا، یہاں تک کہ ایک دوسرے کی ہجو تک نوبت پہنچ جاتی۔ پھر فیاضی کا میچ ہوتا۔ ہر قبیلے کے سردار اپنی بڑائی جتانے کے لیے دیگیں چڑھاتے، اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اونٹ پر اونٹ کاٹتے چلے جاتے۔ اس فضول خرچی سے ان لوگوں کا مقصد اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ اس میلے کے موقع پر اُن کا نام سارے عرب میں اونچا ہو جائے، اور یہ چرچے ہوں کہ فلاں صاحب نے اتنے اونٹ ذبح کیے اور فلاں صاحب نے اِتنوں کو کھانا کھلایا۔ ان مجلسوں میں راگ، رنگ، شراب خواری، زنا اور ہر قسم کی فحش کاری خوب دھڑلے سے ہوتی تھی اور خدا کا خیال مشکل ہی سے کسی کو آتا تھا۔ کعبہ کے گرد طواف ہوتا تھا، مگر کس طرح؟ عورت مرد سب ننگے ہو کر گھومتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اُسی حالت میں خدا کے سامنے جائینگے جس میں ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی مسجد میں عبادت ہوتی تھی، مگر کیسی؟ تالیاں پیٹی جاتیں، سیٹیاں بجائی

جاتیں اور نرسنگھے پھونکے جاتے۔ خدا کا نام پکارا جاتا، مگر کس شان سے؟ کہتے تھے لبیک اللھم لبیک لا شریک لک الا شریکاً ھو لک تملکہ وما ملک (یعنی میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو تیرا ہونے کی وجہ سے تیرا شریک ہے، تو اُس کا بھی مالک ہے اور اُسکی ملکیت کا بھی مالک ہے)۔ خدا کے نام پر قربانیاں بھی کرتے تھے، مگر کس بدتمیزی کے ساتھ؟ قربانی کا خون کعبہ کی دیواروں سے لتھیڑا جاتا اور گوشت دروازے پر ڈالا جاتا، اس خیال سے کہ نعوذ باللہ یہ خون اور گوشت خدا کو مطلوب ہے۔ حضرت ابراہیم نے حج کے چار مہینوں کو حرام ٹھیرایا تھا اور ہدایت کی تھی کہ ان مہینوں میں کسی قسم کی جنگ وجدل نہ ہو۔ یہ لوگ اس حرمت کا کسی حد تک خیال رکھتے تھے، مگر جب لڑنے کو جی چاہتا تو ڈھٹائی کے ساتھ ایک سال حرام مہینہ کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال اُس کا بدلہ کر دیتے تھے۔

پھر جو لوگ اپنے مذہب میں نیک نیت تھے انہوں نے بھی جہالت کی وجہ سے عجیب عجیب طریقے ایجاد کر لیے تھے۔ کچھ لوگ بغیر زاد راہ لیے حج کو نکل کھڑے ہوتے اور مانگتے کھاتے چلے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نیکی کا کام تھا۔ کہتے تھے ہم متوکل ہیں، خدا کے گھر کی طرف جا رہے ہیں تو دنیا کا سامان کیوں لیں؟ عموماً حج کے سفر میں تجارت کرنے یا کمائی کے لیے محنت مشقت کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے لوگ حج میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے اور اسے بھی داخل عبادت سمجھتے تھے۔ بعض لوگ حج کو نکلتے تو بات چیت کرنا ترک کر دیتے۔ اس کا نام حج مصمت، یعنی گونگا حج تھا۔ اسی قسم کی اور غلط رسمیں بے شمار تھیں جن کا حال بیان کر کے میں آپکا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔

یہ حالت کم وبیش دو ہزار برس تک رہی۔ اس طویل مدت میں کوئی نبی عرب میں پیدا نہیں ہوا نہ کسی نبی کی خالص تعلیم عرب کے لوگوں تک پہنچی۔ آخر کار حضرت ابراہیم کی اُس دعا کے پورے ہونے کا وقت آیا جو انہوں نے کعبہ کی دیواریں اٹھاتے وقت اللہ سے مانگی تھی، یعنی "پروردگار! ان کے درمیان

ایک پیغمبر خود انہی کی قوم میں سے بھیجو جو انہیں تیری آیات سنائے اور کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور انکے اخلاق درست کرے"۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ہی کی اولاد سے پھر ایک انسانِ کامل اٹھا جس کا نام پاک محمد ابن عبداللہ تھا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس طرح حضرت ابراہیم نے پنڈتوں اور مہنتوں کے خاندان میں آنکھ کھولی تھی، اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُس خاندان میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے کعبہ کے تیرتھ کا مہنت بنا ہوا تھا۔ جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنے ہاتھ سے خود اپنے خاندان کی مہنتی پر ضرب لگائی، اسی طرح آنحضرت نے بھی اس پر صرف ضرب ہی نہیں لگائی بلکہ ہمیشہ کے لیے اسکی جڑ ہی کاٹ کر رکھدی۔ پھر جس طرح حضرت ابراہیم نے تمام باطل عقیدوں اور تمام جھوٹے خداؤں کی خدائی مٹانے کے لیے جدوجہد کی تھی اور ایک خدا کی بندگی پھیلانے کی کوشش کی تھی، بالکل وہی کام آنحضرت نے بھی کیا، اور پھر اسی اصلی اور بے لوث دین کو تازہ کر دیا جسے حضرت ابراہیم لے کر آئے تھے۔ ۲۱ سال کی مدت میں جب یہ سارا کام آپ مکمل کر چکے تو اللہ کے حکم سے آپ نے پھر اسی طرح کعبہ کو تمام دنیا کے خدا پرستوں کا مرکز بنانے کا اعلان کیا، اور پھر وہی منادی کی کہ سب طرف سے حج کے لیے اس مرکز کی طرف آؤ:۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران - ۱۰)	اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو کوئی اِس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو وہ حج کے لیے آئے۔ پھر جو کفر کرے (یعنی قدرت کے باوجود نہ آئے) تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اس طرح حج کا از سرِ نو آغاز کرنے کے ساتھ ہی جاہلیت کی وہ ساری رسمیں بھی یک قلم مٹادی گئیں، جو پچھلے دو ہزار برس میں رواج پا گئی تھیں۔

میلے ٹھیلے اور تماشے بند کیے گئے اور حکم دیا گیا کہ جو طریقہ عبادت کا بتایا جا رہا ہے اسی طریقہ سے یہاں اللہ کی عبادت کرو:

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ	اللہ کو یاد کرو اُس طرح جیسی تمہیں اللہ نے ہدایت کی ہے
كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ (بقرہ-۲۵)	ورنہ اس سے پہلے تو تم گمراہ لوگ تھے۔
فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ	حج میں نہ شہوانی افعال کیے جائیں، نہ فسق و فجور ہو،
وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (بقرہ-۲۵)	نہ لڑائی جھگڑے ہوں۔

شاعری کے دنگل، باپ دادا کے کارناموں پر فخر اور تعلّی اور ہجوگوئی کے میچ سب بند کردیئے گئے:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا	پھر جب اپنے مناسک حج ادا کر چکو تو جس طرح تم اپنے باپ دادا
اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (بقرہ-۲۵)	کا ذکر کیا کرتے تھے اب اللہ کو یاد کیا کرو بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر۔

فیاضی کے مقابلے جو محض دکھاوے اور نام وری کے لیے ہوتے تھے ان سب کا خاتمہ کر دیا گیا اور اسکی جگہ وہی حضرت ابراہیم کے زمانہ کا طریقہ پھر زندہ کیا گیا کہ محض اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جائیں تاکہ خوشحال لوگوں کی قربانی سے غریب حاجیوں کو بھی کھانے کا موقع مل جائے:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا	کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنیوالوں
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف-۳)	کو پسند نہیں کرتا۔
فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا	ان جانوروں کو خالص اللہ کے لیے اُسی کے نام پر قربان
صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا	کرو، پھر جب انکی پیٹھیں زمین پر ٹھیر جائیں (یعنی جب جان
مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (الحج-۵)	پوری طرح نکل چکے اور حرکت باقی نہ رہے) تو خود بھی ان

میں سے کھاؤ اور قانع کو بھی کھلاؤ اور حاجت مند سائل کو بھی۔

قربانی کے خون کعبہ کی دیواروں سے لتھیڑنا اور گوشت لاکر ڈالنا موقوف کیا گیا اور ارشاد ہوا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا	اللہ کو ان جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج - ۵)

بلکہ تمہاری پرہیزگاری و خدا ترسی پہنچتی ہے۔

برہنہ ہو کر طواف کرنے کی قطعی ممانعت کر دی گئی اور فرمایا گیا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ
اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (اعراف - ۴)

اے نبی ان سے کہو کہ کس نے اللہ کی اُس زینت کو حرام کیا جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی تھی (یعنی لباس)؟

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ (اعراف - ۳)

اے نبی کہو کہ اللہ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف - ۳)

اے آدمی زادو! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت (یعنی لباس) پہنے رہا کرو۔

حج کے مہینوں کا الٹ پھیر کرنے اور حرام مہینوں کو لڑائی کے لیے حلال کر لینے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا:

اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ
يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا
وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِــــُٔوْا عِدَّةَ مَا
حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (التوبہ - ۵)

نسی تو کفر میں اور زیادتی ہے (یعنی کفر کے ساتھ ڈھٹائی کا اضافہ ہے) کافر لوگ اس طریقہ سے اور زیادہ گمراہی میں پڑتے ہیں۔ ایک سال ایک مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال اُس کے بدلہ میں کوئی دوسرا مہینہ حرام کر دیتے ہیں تاکہ جتنے مہینے اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں ان کی تعداد تو پوری کر دی جائے مگر اس بہانے سے دراصل اُس چیز کو حلال کر لیا جائے جسے اللہ نے حرام کیا تھا۔

زادِ راہ لیے بغیر حج کے لیے نکلنے کو ممنوع ٹھہرایا گیا اور ارشاد ہوا کہ:

تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (بقرہ - ۲۵)

زادِ راہ ضرور لو کیونکہ (دنیا میں زادِ راہ نہ لینا زادِ آخرت نہیں ہے) بہترین زادِ آخرت تو تقویٰ ہے۔

سفر حج میں کمائی نہ کرنے کو جو نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا، اور روزی کمانے کو ناجائز خیال کیا جاتا تھا اسکی تردید کی گئی:-

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (بقرہ - ۲۵)	کوئی مضائقہ نہیں اگر تم کاروبار کے ذریعہ سے اپنے رب کا فضل تلاش کرتے جاؤ۔

گونگے حج اور بھوکے پیاسے حج سے بھی روکا گیا اور ایسی ہی جاہلیت کی دوسری تمام رسموں کو مٹا کر حج کو تقویٰ، خدا ترسی، پاکیزگی اور سادگی و درویشی کا مکمل نمونہ بنا دیا گیا۔ حاجیوں کو حکم دیا گیا کہ جب اپنے گھروں سے چلو تو اپنے آپ کو تمام دنیوی آلائشوں سے پاک کر لو، شہوات کو چھوڑ دو، بیویوں کے ساتھ بھی اس زمانہ میں تعلق زن و شو نہ رکھو، گالی گلوچ اور تمام بیہودہ اعمال سے پرہیز کرو۔ کعبہ کی طرف آنے والے جتنے راستے ہیں، اُن سب پر بیسیوں میل دور سے ایک ایک حد مقرر کر دی گئی کہ اس حد سے آگے بڑھنے سے پہلے سب لوگ اپنے اپنے لباس بدل کر احرام کا فقیرانہ لباس پہن لیں تاکہ سب امیر و غریب یکساں ہو جائیں اور سب کے سب اللہ کے دربار میں فقیر بن کر عاجزانہ شان کے ساتھ حاضر ہوں۔ احرام باندھنے کے بعد انسان کا خون بہانا تو درکنار جانور تک کا شکار کرنا حرام کر دیا گیا تاکہ امن پسندی پیدا ہو، بہیمیت دور ہو جائے اور طبیعتوں پر روحانیت کا غلبہ ہو۔ حج کے چار مہینے اسلیے حرام کیے گئے کہ اس مدت میں کوئی لڑائی نہ ہو، کعبہ کو جانے والے تمام راستوں میں امن رہے، اور زائرین حرم کو کوئی نہ چھیڑے۔ اس شان کے ساتھ جب حاجی حرم میں پہنچیں تو ان کے لیے کوئی میلہ ٹھیلہ، کھیل تماشا، ناچ رنگ وغیرہ نہیں ہے۔ قدم قدم پر خدا کا ذکر ہے، نمازیں ہیں، عبادتیں ہیں، قربانیاں ہیں، کعبہ کا طواف ہے اور اگر کوئی پکار ہے تو یہ ہے:

لبیک اللھم لبیک، لبیک، لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک	تیری طلب پر حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، یقیناً تیرے ہی لیے حمد ہے، سب نعمت تیری ہی ہے، ساری پادشاہی تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

ایسے ہی پاک صاف، بے لوث اور مخلصانہ حج کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ۔ جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق وفجور سے پرہیز کیا وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

اب قبل اسکے کہ آپ کے سامنے حج کے فائدے بیان کیے جائیں، یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ یہ فرض کیسا فرض ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ (آل عمران - ۱۰)

اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت میں قدرت رکھنے کے باوجود قصداً حج نہ کرنے کو کفر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسکی شرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو حدیثوں سے ہوتی ہے:

من ملک زاداً وراحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یہودیاً او نصرانیا۔

جو شخص زاد راہ اور سواری رکھتا ہو جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہو اور پھر حج نہ کرے تو اُس کا اِس حالت پر مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا یکساں ہے۔

من لم یمنعہ من الحج حاجۃ ظاہرۃ او سلطان جائر او مرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یہودیا وان شاء نصرانیا۔

جس کو نہ تو کسی صریح حاجت نے حج سے روکا ہو، نہ کسی ظالم سلطان نے، نہ کسی روکنے والے مرض نے، اور پھر اس نے حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو اسے اختیار ہے خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر۔

اور اسی کی تفسیر حضرت عمرؓ نے کی جب کہا کہ "جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے، میرا

جی چاہتا ہے کہ اُن پر جزیہ لگادوں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اور رسول و خلیفۂ رسول کی اس تشریح سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ فرض ایسا فرض نہیں ہے کہ جی چاہے تو ادا کیجیے اور نہ چاہے تو ٹال دیجیے۔ بلکہ یہ ایسا فرض ہے کہ ہر اس مسلمان کو جو کعبہ تک جانے آنے کا خرچ رکھتا ہو اور ہاتھ پاؤں سے معذور نہ ہو، عمر میں ایک مرتبہ اسے لازماً ادا کرنا چاہیے، خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہو، اور خواہ اسکے اوپر بال بچوں کی اور اپنے کاروبار یا ملازمت وغیرہ کی کیسی ہی ذمہ داریاں ہوں۔ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کو ٹالتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصروفیتوں کے بہانے کر کے سال پر سال یونہی گزارتے چلے جاتے ہیں، اُن کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض اُنکے ذمہ ہے، دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں، کعبۂ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گذر جاتے ہیں، جہاں سے مکّہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے، اور پھر بھی حج کا ارادہ تک اُن کے دل میں نہیں گزرتا، وہ تو قطعاً مسلمان نہیں ہیں، جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور قرآن سے جاہل ہے جو اُنہیں مسلمان سمجھتا ہے۔ اُنکے دل میں اگر مسلمانوں کا درد اُٹھتا ہو تو اُٹھا کرے، اللہ کی اطاعت اور اُس کے حکم پر ایمان کا جذبہ تو بہرحال اُن کے دل میں نہیں ہے۔

حج کے فائدے

برادران اسلام - قرآن مجید میں جہاں یہ ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حج کی عام منادی کرنے کا حکم دیا تھا وہاں اس حکم کی پہلی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ "تاکہ لوگ یہاں آکر دیکھیں کہ اس حج میں انکے لیے کیسے کیسے فائدے ہیں" یعنی یہ سفر کر کے اور اس جگہ جمع ہو کر وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے کہ یہ انہیں کے نفع کے لیے ہے - اور اس میں جو فائدے پوشیدہ ہیں اُن کا اندازہ کچھ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آدمی یہ کام کر کے خود دیکھ لے - حضرت امام ابوحنیفہ کے متعلق روایت ہے کہ جب تک انہوں نے حج نہ کیا تھا، انہیں اِس معاملہ میں تردد تھا کہ اسلامی عبادات میں سب سے افضل کونسی عبادت ہے - مگر جب انہوں نے خود حج کر کے اُن بے حد و حساب فائدوں کو دیکھا جو اس عبادت میں پوشیدہ ہیں، تو بے تأمل پکار اٹھے کہ یقیناً حج سب سے افضل ہے -

آئیے، اب میں آپ کو مختصر الفاظ میں اسکے فائدے بتاؤں -

دنیا کے لوگ عموماً دو ہی قسم کے سفروں سے واقف ہیں - ایک سفر وہ جو روٹی کمانے کے لیے کیا جاتا ہے - دوسرا وہ جو سیر و تفریح کے لیے کیا جاتا ہے - ان دونوں قسم کے سفروں میں اپنی غرض اور اپنی خواہش آدمی کو باہر نکلنے پر آمادہ کرتی ہے - گھر چھوڑتا ہے تو اپنی غرض کے لیے - بال بچوں اور عزیزوں سے جدا ہوتا ہے تو اپنی خاطر - مال خرچ کرتا ہے یا وقت صرف کرتا ہے تو اپنے مطلب کے لیے - لہذا اِس میں قربانی کا کوئی سوال نہیں ہے - مگر یہ سفر جس کا نام حج ہے، اِس کا معاملہ

اور سب سفروں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سفر اپنی کسی غرض کے لیے یا اپنے نفس کی کسی خواہش کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کے لیے ہے اور اُس فرض کو ادا کرنے کے لیے ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ اس سفر پر کوئی شخص اُس وقت تک آمادہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت نہ ہو، اس کا خوف نہ ہو، اور اُس کے فرض کو فرض سمجھنے کا خیال نہ ہو۔ پس جو شخص اپنے گھر بار سے ایک لمبی مدت کے لیے علحدگی، اپنے عزیزوں سے جدائی، اپنے کاروبار کا نقصان، اپنے مال کا خرچ، اور سفر کی تکلیفیں گوارا کر کے حج کو نکلتا ہے، اُس کا نکلنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ اُس کے اندر خوفِ خدا اور محبت خدا بھی ہے اور فرض کا احساس بھی۔ اور اُس میں یہ طاقت موجود ہے کہ اگر کسی وقت خدا کی راہ میں نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ نکل سکتا ہے، تکلیفیں اٹھا سکتا ہے، اپنے مال اور اپنی راحت کو خدا کی خوشنودی پر قربان کرسکتا ہے۔

پھر جب وہ ایسے پاک ارادہ سے سفر کے لیے تیار ہوتا ہے تو اسکی طبیعت کا حال کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ جس دل میں خدا کی محبت کا شوق بھڑک اٹھا ہو اور جس کی لو اُدھر لگ گئی ہو، اس میں پھر نیک ہی نیک خیال آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ لوگوں سے اپنا کہا سنا بخشواتا ہے۔ کسی کا حق اُس پر آتا ہو تو اسے ادا کرنے کی فکر کرتا ہے تاکہ خدا کے دربار میں بندوں کے حقوق کا بوجھ لادے ہوئے نہ جائے۔ بُرائی سے اسکے دل کو نفرت ہونے لگتی ہے اور قدرتی طور پر بھلائی کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ پھر سفر کے لیے نکلنے کے ساتھ ہی جتنا جتنا وہ خدا کے گھر کی طرف بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی اتنا اسکے اندر نیکی کا جذبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو اس سے اذیت نہ پہنچے اور جسکی جتنی خدمت یا مدد ہو سکے کرے۔ بدکلامی، یا بیہودگی، یا بے حیائی، یا بددیانتی کرنے سے خود اسکی اپنی طبیعت اندر سے رکتی ہے، کیونکہ وہ خدا کے راستے میں جارہا ہے۔ حرم الٰہی کا مسافر ہو اور پھر بدکاریاں کرتا ہوا جائے۔

ایسی شرم کی بات کسی سے کیسے ہو؟ اُس کا تو یہ سفر پورا کا پورا عبادت ہے۔ اس عبادت کی حالت میں ظلم اور فسق کا کیا کام؟ پس دوسرے تمام سفروں کے برعکس یہ ایسا سفر ہے جو ہر دم آدمی کے نفس کو پاک کرتا رہتا ہے، اور یوں سمجھو کہ یہ ایک بہت بڑا اصلاحی کورس ہے جس سے لازماً ہر اُس مسلمان کو گذرنا ہوتا ہے جو حج کے لیے جائے۔

سفر کا ایک حصہ ختم کر چکنے کے بعد ایک خاص حد ایسی آتی ہے جس سے کوئی مسلمان جو مکہ جانا چاہتا ہو، احرام باندھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ احرام کیا ہے؟ ایک فقیرانہ لباس، جس میں ایک تہ بند، ایک چادر اور رجوتی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک جو کچھ تم تھے سو تھے، مگر اب جو تمہیں خدا کے دربار میں جانا ہے تو فقیر بن کر چلو۔ ظاہر میں بھی فقیر بنو اور دل کے فقیر بھی بننے کی کوشش کرو۔ رنگین کپڑے اور آرائش کے لباس اتارو۔ سادہ اور درویشانہ طرز کا لباس پہن لو۔ موزے نہ پہنو۔ سر کھلا رکھو۔ خوشبو نہ لگاؤ۔ بال نہ بناؤ۔ ہر قسم کی زینت سے پرہیز کرو۔ عورت اور مرد کا تعلق بند کرو، بلکہ ایسی حرکات و سکنات اور ایسی باتوں سے بھی پرہیز کرو جو اس تعلق کا شوق یا اسکی یاد دلانے والی ہوں۔ شکار نہ کرو، بلکہ شکاری کو شکار کا نشان دینے یا اس کا پتہ بتانے سے بھی اجتناب کرو۔ ظاہر میں جب یہ رنگ اختیار کرو گے تو باطن پر بھی اس کا اثر پڑیگا۔ اندر سے تمہارا دل بھی فقیر بنے گا۔ کبر و غرور نکلے گا۔ مسکینی اور امن پسندی پیدا ہوگی۔ دنیا اور اسکی لذتوں میں پھنسنے سے جو کچھ آلائشیں تمہاری روح کو لگ گئی تھیں وہ صاف ہونگی۔ اور خدا پرستی کی کیفیت تمہارے اوپر بھی طاری ہوگی اور اندر بھی۔

احرام باندھنے کے ساتھ جو کلمات حاجی کی زبان سے نکلتے ہیں، جن کو وہ ہر نماز کے بعد، اور ہر بلندی پر چڑھتے وقت، اور ہر پستی کی طرف اترتے وقت، اور ہر قافلے سے ملتے وقت اور ہر روز صبح نیند سے بیدار ہو کر بلند آواز سے پکارتا ہے، وہ یہ ہیں:

لبیک، اللھم لبیک، لا شریک لک لبیک - اِنَّ الحمدَ والنعمۃ لک والملک - لا شریک لک -

یہ دراصل حج کی اُس ندائے عام کا جواب ہے جو حکم الٰہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی - ساڑھے چار ہزار برس ہوئے جب اللہ کے اُس منادی نے پکارا تھا کہ "اللہ کے بندو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ، زمین کے ہر گوشے سے آؤ، خواہ پیدل آؤ خواہ سواریوں پر آؤ" جواب میں آج تک حرم پاک کا ہر مسافر بلند آواز سے کہتا ہے "میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں صرف تیری طلبی پر حاضر ہوں - حمد تیرے لیے ہے، نعمت تیری ہے، مُلک تیرا ہے، کسی چیز میں تیرا کوئی شریک نہیں" اس طرح لبیک کی ہر صدا کے ساتھ حاجی کا تعلق سچی اور خالص خدا پرستی کی اُس تحریک سے جُڑ جاتا ہے جو حضرت ابراہیم و اسماعیل کے وقت سے چلی آ رہی ہے - ساڑھے چار ہزار برس کا فاصلہ بیچ میں سے ہٹ جاتا ہے - یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اُدھر اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیم پکار رہے ہیں اور اِدھر یہ جواب دے رہا ہے - جواب دیتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے - جوں جوں آگے بڑھتا ہے شوق کی کیفیت اور زیادہ طاری ہوتی جاتی ہے - ہر چڑھاؤ اور ہر اُتار پر اِسکے کانوں میں اللہ کے منادی کی آواز گونجتی ہے اور یہ اس پر لبیک کہتا ہوا آگے چلتا ہے - ہر قافلہ اِسے وہیں کا پیامی معلوم ہوتا ہے اور ایک عاشق کی طرح یہ اس کا پیغام سن کر پکارتا ہے "میں حاضر ہیں حاضر" ہر نئی صبح اِسکے لیے گویا پیغام دوست لاتی ہے اور نور کے تڑکے میں آنکھ کھولتے ہی یہ لبیک اللھم لبیک کی صدا لگانے لگتا ہے - غرض یہ بار بار کی صدا احرام کے اُس فقیرانہ لباس، سفر کی اُس حالت، اور منزل منزل کعبہ سے قریب تر ہوتے جانے کی اُس کیفیت کے ساتھ مل کر کچھ ایسا سماں باندھ دیتی ہے کہ حاجی عشق الٰہی میں از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور اُسکے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بس اک یادِ دوست

کے سوا" آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا"

اس شان سے حاجی مکہ پہنچتا ہے اور جاتے ہی سیدھا اُس آستانے کا رُخ کرتا ہے جسکی طرف بلایا گیا تھا۔ آستانِ دوست کو چومتا ہے[1] پھر اپنے عقیدے، اپنے ایمان، اپنے دین و مذہب کے اُس مرکز کے گرد چکر لگاتا ہے اور ہر چکر آستانہ بوسی سے شروع اور آستانہ بوسی ہی پر ختم کرتا جاتا ہے اسکے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعتیں سلامی کی پڑھتا ہے۔ پھر وہاں سے نکل کر کوہ صفا پر چڑھتا ہے اور وہاں سے جب کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو پکار اٹھتا ہے:

لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون

"کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی ہم بندگی نہیں کرتے، ہماری اطاعت صرف اللہ کے لیے خاص ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو"

پھر وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے، گویا اپنی حالت سے اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ یونہی اپنے مالک کی خدمت میں اور یونہی اسکی خوشنودی کی طلب میں ہمیشہ سعی کرتا رہیگا اس سعی کے دوران میں کبھی اسکی زبان سے نکلتا ہے:

اللھم استعملنی بسنۃ نبیک وتوفنی علی ملتہ واعذنی من مضلات الفتن

"خدایا! مجھ سے کام لے اُسی طریقہ پر جو تیرے نبی کا طریقہ ہے، اور مجھے موت دے اسی راستہ پر جو تیرے نبی کا راستہ ہے، اور زندگی میں مجھے بچا ان فتنوں سے جو راہ راست سے بھٹکانے والے ہیں"

---

[1] حجراسود کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام نے آستانہ بوسی کے لیے اس جگہ کو معین کر لیا تھا۔ ورنہ بجائے خود اس پتھر میں کوئی بات نہیں ہے کہ چومنے کے لیے اسی کی کچھ خصوصیت ہو، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اس کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں تو محض ایک پتھر ہے۔ اگر رسول اللہ نے تجھے نہ چوما ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۔

اور کبھی کہتا ہے :

رب اغفر وارحم، وتجاوز عما تعلم، انك انت الاعز الاکرم

"پروردگار! معاف کر اور رحم کر! میرے قصوروں کو تو جانتا ہے، اُن سے درگزر فرما، تیری طاقت سب سے بڑھ کر ہے اور تیرا کرم بھی سب سے بڑھ کر"،

اسکے بعد وہ گویا اللہ کا سپاہی بن جاتا ہے اور اب پانچ چھ روز اسکو کیمپ کی سی زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ ایک دن منیٰ میں پڑاؤ ہے، دوسرے دن عرفات میں کیمپ ہے اور خطبہ میں کمانڈر کی ہدایات سُنی جارہی ہیں، رات مزدلفہ میں جاکر چھاؤنی ڈالی جاتی ہے، دن نکلتا ہے تو منیٰ کی طرف کوچ ہوتا ہے اور وہاں اُس ستون پر کنکریوں سے چاندماری کی جاتی ہے جہاں تک اصحاب فیل کی فوجیں کعبہ کو ڈھانے کے لیے پہنچ گئی تھیں۔ ہر کنکری مارنے کے ساتھ اللہ کا سپاہی کہتا جاتا ہے اللہ اکبر، رغماً للشیطان وحزبه، اور اللھم تصدیقاً بکتابك واتباعاً لسنة نبیك۔ کنکریوں کی اس چاندماری کا مطلب یہ ہے کہ خدایا جو تیرے دین کو مٹانے اور تیرا بول نیچا کرنے اٹھیگا، میں اسکے مقابلے میں تیرا بول بالا کرنے کے لیے یوں لڑونگا۔ پھر اسی جگہ قربانی کی جاتی ہے تاکہ راہ خدا میں خون بہانے کی نیت اور عزم کا اظہار عمل سے ہو جائے۔ پھر وہاں سے کعبہ کا رخ کیا جاتا ہے، جیسے سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کرکے ہیڈ کوارٹر کی طرف سرخ رو واپس آرہا ہے۔ طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہو کر احرام کھل جاتا ہے، جو کچھ حرام کیا گیا تھا وہ پھر حلال ہو جاتا ہے، اور اب حاجی کی زندگی پھر معمولی طور پر شروع ہو جاتی ہے۔ اِس معمولی زندگی کی طرف پلٹنے کے بعد حاجی منیٰ میں جاکر پھر کیمپ کرتا ہے اور دوسرے دن پتھر کے اُن تین ستونوں پر باری باری کنکریوں سے پھر چاندماری کرتا ہے جن کو جمرات کہتے ہیں اور جو دراصل اُس ہاتھی والی فوج کی پسپائی اور تباہی کی یادگار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے سال عین حج

کے موقع پر اللہ کے اس گھر کو ڈھانے آئی تھی اور جسے اللہ کے حکم سے آسمانی چڑیوں نے کنکریاں مار مار کر تباہ کردیا تھا۔[۱] تیسرے دن پھر ان ستونوں پر سنگباری کرنے کے بعد حاجی مکہ پلٹتا ہے اور سات دفعہ اپنے دین کے مرکز کا طواف کرتا ہے۔ یہ طوافِ وداع ہے اور اس سے فارغ ہونے کے معنی حج سے فارغ ہوجانے کے ہیں۔

یہ ساری تفصیل جو آپ نے سنی اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ حج کے ارادے اور اسکی تیاری سے لیکر اپنے گھر واپس آنے تک، دو تین مہینے کی مدت میں، کتنے زبردست اثرات آدمی کے دل اور دماغ پر پڑتے ہیں۔ اس میں وقت کی قربانی ہے، مال کی قربانی ہے، آرام و آسائش کی قربانی ہے، بہت سے دنیوی تعلقات کی قربانی ہے، بہت سی نفسانی خواہشوں اور لذتوں کی قربانی ہے، اور یہ سب کچھ اللہ کی خاطر ہے، کوئی ذاتی غرض اس میں شامل نہیں۔ پھر اس سفر میں پرہیز گاری و تقویٰ کے ساتھ مسلسل خدا کی یاد اور خدا کی طرف شوق و عشق کی جو کیفیت آدمی پر گذرتی ہے وہ اپنا ایک مستقل نقش دل پر چھوڑ جاتی ہے جس کا اثر برسوں قائم رہتا ہے۔ پھر حرم کی سرزمین میں پہنچ کر قدم قدم پر انسان اُن لوگوں کے آثار دیکھتا ہے جنہوں نے اللہ کی بندگی و اطاعت میں اپنا سب کچھ قربان کیا، دنیا بھر سے لڑے، مصیبتیں اٹھائیں، جلاوطن ہوئے، ظلم پر ظلم سہے، مگر بالآخر اللہ کا کلمہ بلند کرکے چھوڑا اور ہر اُس باطل قوت کا سر نیچا کرکے ہی دم لیا جو انسان سے اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرانا چاہتی تھی۔ اِن آیات بینات اور اِن آثار متبرکہ کو دیکھ کر ایک خدا پرست آدمی عزم

[۱] عام طور پر مشہور ہے کہ کنکریاں مارنے کا یہ فعل اُس واقعہ کی یادگار میں کیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیم کو پیش آیا تھا، یعنی حضرت اسمٰعیل کی قربانی دیتے وقت شیطان نے آکر آپکو بہکایا تھا اور آپ نے اسے کنکریاں ماری تھیں، یا جب حضرت اسمٰعیل کے فدیہ میں مینڈھا آپکو قربانی کے لیے دیا گیا تو وہ نکل کر بھاگا تھا اور اسکو آپ نے کنکریاں ماری تھیں۔ لیکن کسی صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں ہے کہ رمی جمار کی علت یہ ہے۔

وہمت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جو سبق لے سکتا ہے، شائد کسی دوسری چیز سے نہیں لے سکتا۔ پھر طواف کعبہ سے اسکو مرکز دین کے ساتھ جو وابستگی ہوتی ہے، اور مناسک حج میں دوڑ دھوپ، کوچ اور قیام سے مجاہدانہ زندگی کی جو مشق اسے کرائی جاتی ہے، اسے اگر آپ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ یہ ساری چیزیں کسی بہت بڑے کام کی ٹریننگ ہیں جو اسلام مسلمانوں سے لینا چاہتا ہے۔ اسی لیے ہر اس مسلمان پر جو کعبہ تک جانے آنے کی قدرت رکھتا ہو، حج لازم کر دیا گیا ہے، تاکہ جہاں تک ممکن ہو ہر زمانہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان ایسے موجود رہیں جو اس پوری ٹریننگ سے گذر چکے ہوں۔

لیکن حج کے فائدوں کا پورا اندازہ کرنے سے آپ قاصر رہینگے جب تک یہ بات آپکے پیش نظر نہ ہو کہ ایک ایک مسلمان اکیلا اکیلا حج نہیں کرتا ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک ہی زمانہ رکھا گیا ہے اور ہزاروں لاکھوں مسلمان مل کر ایک وقت میں حج کرتے ہیں۔ پہلے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے تو آپکے سامنے صرف اتنی بات آئی ہے کہ فرداً فرداً ایک ایک حاجی پر اس عبادت کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اب میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک وقت مقرر کرکے ان فائدوں کو کس طرح لاکھوں درجے بڑھا دیا گیا ہے۔

اسلام کا کمال یہی ہے کہ یہ بیک کرشمہ دو کار نہیں بلکہ ہزار کار نکال لے جاتا ہے۔ نماز علیحدہ پڑھنے ہی میں کچھ کم فائدے نہ تھے، مگر اسکے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر، اور امامت کا قاعدہ مقرر کرکے، اور جمعہ و عیدین کی بڑی جماعتیں بنا کر اسکے فائدوں کو بے حد وحساب بڑھا دیا۔ روزہ فرداً فرداً رکھنا بھی اصلاح اور تربیت کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ مگر سب مسلمانوں کے لیے رمضان کا ایک ہی مہینہ مقرر کرکے اس کے فائدے اتنے بڑھا دیے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ زکوٰۃ الگ الگ دینے میں بھی بہت خوبیاں تھیں، مگر اسکے لیے بیت المال کا نظام مقرر کرکے اسکی منفعت

اتنی بڑھادی کہ آپ اس کا اندازہ اُس وقت تک کر ہی نہیں سکتے جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں کہ تمام مسلمانوں کی زکوٰۃ ایک جگہ جمع کر کے ایک انتظام کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کرنے سے کتنی خیر و برکت ہوتی ہے۔ یہی معاملہ حج کا بھی ہے کہ اکیلا اکیلا آدمی حج کرے تب بھی اسکی زندگی میں بہت بڑا انقلاب ہو سکتا ہے، اگر تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک ہی وقت میں مل کر حج کرنے کا قاعدہ مقرر کر کے تو اسکے فائدوں کی کوئی حد باقی ہی نہیں رکھی گئی۔ یہ مضمون ذرا تفصیل چاہتا ہے اسلیے انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں اس کو مفصل بیان کرونگا۔

حج کا عالمگیر اجتماع

برادران اسلام - آپ جانتے ہیں کہ ایسے مسلمان جن پر حج فرض ہے، یعنی جو کعبہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتے ہیں، ایک دو تو ہوتے نہیں ہیں۔ ہر بستی میں انکی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے ہر شہر میں ہزاروں اور ہر ملک میں لاکھوں ہی ہوتے ہیں۔ اور ہر سال ان میں سے بہت لوگ حج کا ارادہ کر کے نکلتے ہیں۔ اب ذرا تصور کیجیے کہ دنیا کے کونے کونے میں، جہاں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں، حج کا موسم آنے کے ساتھ ہی کس طرح اسلام کی زندگی جاگ اٹھتی ہے، کیسی کچھ حرکت پیدا ہوتی ہے اور کتنی دیر تک رہتی ہے۔ تقریباً رمضان کے مہینے سے لے کر ذی القعدہ تک مختلف جگہ سے مختلف لوگ حج کی تیاریاں کر کے نکلتے ہیں، اور اُدھر محرم کے آخر سے صفر، ربیع الاول بلکہ ربیع الثانی تک واپسیوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس چھ سات مہینہ کی مدت تک گویا مسلسل تمام مسلمان آبادیوں میں ایک طرح کی دینی حرکت جاری رہتی ہے۔ جو لوگ حج کو جاتے اور حج سے واپس آتے ہیں وہ تو دینی کیفیت میں سرشار ہوتے ہی ہیں، مگر جو نہیں جاتے اُن کو بھی حاجیوں کے رخصت کرنے اور ایک ایک بستی سے ان کے گذرنے اور پھر واپسی پر ان کا استقبال کرنے اور ان سے حج کے حالات سننے کی وجہ سے تھوڑا یا بہت اس کیفیت کا کچھ نہ کچھ حصہ مل ہی جاتا ہے۔

جب ایک ایک حاجی حج کی نیت کرتا ہے اور اس نیت کے ساتھ ہی اُس پر خوفِ خدا اور پرہیزگاری اور توبہ و استغفار اور نیک اخلاق کے اثرات چھانے شروع ہوتے ہیں، اور وہ اپنے عزیزوں، دوستوں، معاملہ داروں اور ہر قسم کے متعلقین سے اس طرح رخصت ہونا اور

اپنے معاملات صاف کرنا شروع کرتا ہے کہ گویا اب یہ وہ پہلا سا شخص نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف لو لگ جانے کی وجہ سے اس کا دل پاک ہو رہا ہے، تو اندازہ کیجیے کہ ایک ایک حاجی کی اس حالت کا کتنے کتنے لوگوں پر اثر پڑتا ہوگا، اور اگر ہر سال دنیا کے مختلف حصوں میں ایک لاکھ آدمی بھی اوسطاً اس طرح حج کے لیے تیار ہوتے ہوں تو ان کی تاثیر کتنے لاکھ آدمیوں کے اخلاق تک پہنچتی ہوگی - پھر حاجیوں کے قافلے جہاں جہاں سے گذرتے ہونگے، وہاں ان کو دیکھ کر، ان سے مل کر، انکی لبیک لبیک کی آوازیں سُن کر کتنوں کے دل گرما جاتے ہونگے، کتنوں کی توجہ اللہ کی طرف اور اللہ کے گھر کی طرف پھر جاتی ہوگی، اور کتنوں کی سوئی ہوئی روح میں حج کے شوق سے حرکت پیدا ہو جاتی ہوگی۔ پھر جب یہ لوگ اپنے مرکز سے پھر اپنی اپنی بستیوں کی طرف دنیا کے مختلف حصوں میں حج کی کیفیتوں کا خمار لیے ہوئے پلٹتے ہونگے اور لوگ ان سے ملاقات کرتے ہونگے تو ان کی زبان حال اور زبان قال سے اللہ کے گھر کا ذکر سن کر کتنے بے شمار حلقوں میں دینی جذبات تازہ ہو جاتے ہونگے۔

بس اگر میں یہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ جس طرح رمضان کا مہینہ تمام اسلامی دنیا میں تقویٰ کا موسم ہے، اُسی طرح حج کا زمانہ تمام روئے زمین میں اسلام کی زندگی اور بیداری کا زمانہ ہے۔ اِس طریقے سے شریعت بنانے والے حکیم و دانا نے ایسا بے نظیر انتظام کر دیا ہے کہ انشاء اللہ قیامت تک اسلام کی عالمگیر تحریک مٹ نہیں سکتی۔ دنیا کے حالات خواہ کتنے ہی بگڑ جائیں، اور زمانہ کتنا ہی خراب ہو جائے مگر یہ کعبہ کا مرکز اسلامی دنیا کے جسم میں کچھ اس طرح رکھ دیا گیا ہے جیسے آدمی کے جسم میں دل ہوتا ہے کہ جب تک وہ حرکت کرتا رہے، آدمی مر نہیں سکتا، چاہے بیماریوں کی وجہ سے وہ ہلنے تک کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ بالکل اسی طرح اسلامی دنیا کا یہ دل بھی ہر سال اُسکی دور دراز رگوں تک سے خون کھینچتا رہتا ہے اور پھر اُس کو رگ رگ تک پھیلا دیتا ہے۔ جب تک اس دل کی یہ حرکت جاری ہے، اور جب تک خون کے کھینچنے اور پھیلنے کا یہ سلسلہ چل رہا ہے، اس وقت تک یہ

بالکل محال ہے کہ اس جسم کی زندگی ختم ہو جائے، خواہ بیماریوں سے یہ کتنا ہی نزار و نزار ہو۔

ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس نقشے کا تصور تو کیجیے کہ اِدھر مشرق سے، اُدھر جنوب سے، اُدھر مغرب سے، اُدھر شمال سے اَن گنت قوموں اور بے شمار ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ایک ہی مرکز کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں، رنگ مختلف ہیں، زبانیں مختلف ہیں، لباس مختلف ہیں، مگر مرکز کے قریب ایک خاص حد پر پہنچتے ہی سب اپنے اپنے قومی لباس اتار دیتے ہیں، اور سارے کے سارے ایک ہی طرز کا سادہ یونیفارم پہن لیتے ہیں۔ احرام کا یہ یونیفارم پہننے کے بعد علانیہ یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ سلطانِ عالم اور بادشاہِ زمین و آسمان کی یہ فوج، جو دنیا کی ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آ رہی ہے، ایک ہی بادشاہ کی فوج ہے ایک ہی کی اطاعت و بندگی کا نشان اِن سب پر لگا ہوا ہے، ایک ہی کی وفاداری کے رشتے میں یہ سب بندھے ہوئے ہیں، اور ایک ہی دارالسلطنت کی طرف اپنے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ یونیفارم پہنے ہوئے سپاہی جب میقات سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے وہی ایک نعرہ بلند ہوتا ہے: لبیک، اللھم لبیک، لا شریک لک لبیک۔ بولنے کی زبانیں سب کی مختلف ہیں، مگر نعرہ سب کا ایک ہی ہے۔ پھر جوں جوں مرکز قریب آتا جاتا ہے، دائرہ سمٹ کر چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے قافلے ملتے چلے جاتے ہیں اور سب کے سب نمازیں مل کر ایک ہی طرز پر پڑھتے ہیں۔ سب کا ایک یونیفارم، سب کا ایک امام، سب کی ایک ہی حرکت، سب کی ایک ہی زبان میں نماز، سب ایک اللہ اکبر ہی کے اشارے پر اٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع اور سجدہ کرتے ہیں، اور سب اسی ایک قرآنِ عربی کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں اور قومیتوں اور وطنوں اور نسلوں کا اختلاف ٹوٹتا ہے اور یوں خدا پرستوں کی ایک عالمگیر جماعت بنتی ہے۔ پھر جب یہ قافلے یک زبان ہو کر لبیک لبیک کے نعرے بلند کرتے

ہوئے چلتے ہیں، جب ہر بلندی اور ہر پستی پر یہی نعرے لگتے ہیں، جب قافلوں کے ایک دوسرے سے ملنے کے وقت دونوں طرف سے یہی صدائیں اٹھتی ہیں، جب نمازوں کے وقت اور صبح کے تڑکے میں یہی آوازیں گونجتی ہیں، تو ایک عجیب فضا پیدا ہو جاتی ہے جسکے نشے میں آدمی سرشار ہو کر اپنی خودی کو بھول جاتا ہے اور اس لبیک کی کیفیت میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر کعبے پہنچ کر تمام دنیا سے آئے ہوئے آدمیوں کا ایک لباس میں ایک مرکز کے گرد گھومنا، پھر سب کا ایک ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، پھر سب کا منیٰ میں کیمپ لگانا، پھر سب کا عرفات کی طرف کوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سننا، پھر سب کا مزدلفہ میں رات کو چھاؤنی ڈالنا، پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف پلٹنا، پھر سب کا متفق ہو کر جمرۂ عقبہ پر کنکریوں کی چاندماری کرنا، پھر سب کا قربانیاں کرنا، پھر سب کا ایک ساتھ کعبہ کی طرف پلٹ کر طواف کرنا، پھر سب کا ایک ہی مرکز کے گرد اگرد نماز پڑھنا، یہ اپنے اندر وہ کیفیت رکھتا ہے جسکی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔

دنیا بھر کی قوموں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک مرکز پر اجتماع، اور وہ بھی ایسی یک دلی و یک جہتی کے ساتھ، ایسی ہم خیالی و ہم آہنگی کے ساتھ، ایسے پاک جذبات، پاک مقاصد اور پاک اعمال کے ساتھ، حقیقت میں اتنی بڑی نعمت ہے جو آدم کی اولاد کو اسلام کے سوا کسی نے نہیں دی۔ دنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی رہی ہیں، مگر کس طرح؟ میدان جنگ میں، گلے کاٹنے کے لیے۔ یا صلح کانفرنسوں میں، ملکوں کی تقسیم اور قوموں کے بٹوارے کے لیے۔ یا مجلس اقوام میں، تاکہ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے، فریب، سازش اور بے ایمانیوں کے جال پھیلائے، اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ کرنے کی کوشش کرے۔ تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا، نیک اخلاق اور پاک خیالات کے ساتھ ملنا، محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا، قلبی و روحانی اتحاد کے ساتھ ملنا، خیالات اعمال اور مقاصد کی یک جہتی کے ساتھ ملنا، اور

صرف ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا، کیا یہ نعمت اسلام کے سوا بنی نوع انسان کو اور بھی کہیں ملتی ہے؟ دنیا میں امن قائم کرنے، قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے، اور لڑائی جھگڑوں کے بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر نسخہ کس نے تجویز کیا ہے؟

اسلام صرف اتنا ہی نہیں کرتا۔ اس سے بڑھ کر یہاں اور بہت کچھ ہے۔

اس نے لازم کیا ہے کہ سال کے چار مہینے جو حج اور عمرہ کے لیے مقرر کیے گئے ہیں ان میں کوشش کی جائے کہ کعبہ کی طرف آنے والے تمام راستوں میں امن قائم رہے۔ یہ دنیا میں امن قائم رکھنے کی سب سے بڑی دوامی تحریک ہے اور اگر دنیا کی سیاست کی باگیں اسلام کے ہاتھ میں ہوں، تو کم از کم سال کا ایک تہائی حصہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنگ اور غارت گری سے خالی رہ سکتا ہے۔

اُس نے دنیا کو ایک ایسا حَرَم دیا ہے جو قیامت تک کے لیے امن کا شہر ہے، جس میں آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا، جس میں گھاس تک کاٹنے کی اجازت نہیں، جسکی زمین کا کانٹا تک نہیں توڑا جا سکتا، جس میں حکم ہے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اسے ہاتھ تک نہ لگاؤ۔

اُس نے دنیا کو ایک ایسا شہر دیا ہے جس میں ہتھیار لانے کی ممانعت ہے۔ جس میں غلّہ کو اور دوسری عام ضرورت کی چیزوں کو روک کر مہنگا کرنا "اِلحاد" کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ جس میں ظلم کرنے والے کو اللہ نے دھمکی دی ہے کہ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ، "ہم اسے دردناک سزا دینگے"

اُس نے دنیا کو ایک ایسا مرکز دیا ہے جسکی تعریف یہ ہے کہ سَوَاءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ۔

یعنی وہاں تمام اُن انسانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں جو خدا کی پادشاہی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی تسلیم کرکے اسلام کی برادری میں داخل ہوجائیں۔ خواہ کوئی شخص امریکہ کا رہنے والا ہو یا افریقہ کا، یا چین کا، یا ہندوستان کا، اگر وہ مسلمان ہوجائے تو مکّہ کی زمین پر اُسکے وہی حقوق ہیں جو خود مکّہ والوں کے ہیں۔ پورے حرم کے علاقے کی حیثیت گویا مسجد کی سی حیثیت ہے کہ جو شخص مسجد میں جاکر کسی جگہ اپنا ڈیرہ جمادے وہ جگہ اُسی کی ہے، کوئی اسکو وہاں سے اٹھا نہیں سکتا، نہ اس سے کرایہ مانگ سکتا ہے۔ مگر وہ اُس جگہ خواہ تمام عمر بیٹھا رہا ہو، اسے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ جگہ میری مِلک ہے۔ نہ وہ اسکو بیچ سکتا ہے، نہ اس کا کرایہ وصول کرسکتا ہے حتیٰ کہ جب وہ شخص اُس جگہ سے اُٹھ جائے تو دوسرے کو بھی وہاں ڈیرہ جمانے کا ویسا ہی حق ہے جیسا اس کو تھا۔ بالکل یہی حال پورے مکّہ کے حرم کا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مکۃ مباح لمن سبق۔ یعنی "جو شخص اس شہر میں کسی جگہ پہلے آکر اتر جائے وہ جگہ اسی کی ہے"۔ وہاں کے مکانوں کا کرایہ لینا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کو حکم دیدیا تھا کہ اپنے مکانات کے گرد صحنوں پر دروازے نہ لگاؤ تاکہ جو چاہے تمہارے صحن میں آکر ٹھیر سکے۔ بعض فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ شہر مکّہ کے مکانات پر نہ کسی کی ملکیت ہے اور نہ وہ وراثت میں منتقل ہوسکتے ہیں۔

کیا اسلام کے سوا یہ نعمتیں انسان کو کہیں اور بھی مل سکتی ہیں؟

بھائیو! یہ ہے وہ حج جسکے متعلق فرمایا گیا تھا کہ اسے کرکے دیکھو، اس میں تمہارے لیے کتنے منافع ہیں۔ میری زبان میں اتنی قدرت نہیں کہ اسکے سارے منافع گِنا سکوں۔ تاہم اسکے فائدوں کا یہ ذرا سا خاکہ جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اِسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

مگر یہ سب کچھ سننے کے بعد ذرا میرے جلے دل کی کچھ باتیں بھی سن لو! تم نسلی مسلمانوں کا حال اُس بچے کا سا ہے جو ہیرے کی کان میں پیدا ہوا ہو۔ ایسا بچہ جب ہر طرف ہیرے ہی ہیرے دیکھتا ہے اور پتھروں کی طرح ہیروں سے کھیلتا ہے تو ہیرے اسکی نگاہ میں ایسے ہی بے قدر ہو جاتے ہیں جیسے پتھر۔ یہی حالت تمہاری بھی ہے کہ دنیا جن نعمتوں سے محروم ہے، جن سے محروم ہو کر سخت مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھا رہی ہے، اور جن کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہے، وہ نعمتیں تم کو مفت میں، بغیر کسی تلاش و جستجو کے، صرف اس وجہ سے مل گئیں کہ خوش قسمتی سے تم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہو۔ وہ کلمۂ توحید جو انسان کی زندگی کے تمام پیچیدہ مسئلوں کو سلجھا کر ایک صاف سیدھا راستہ بنا دیتا ہے، بچپن سے تمہارے کانوں میں پڑا۔ نماز اور روزے کے وہ کیمیا سے زیادہ قیمتی نسخے جو آدمی کو جانور سے انسان بناتے ہیں، اور انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی ہمدرد اور دوست بنانے کے لیے جن سے بہتر نسخے آج تک دریافت نہیں ہو سکے ہیں، تم کو آنکھ کھولتے ہی خود بخود باپ دادا کی میراث میں مل گئے۔ زکوٰۃ کی وہ بے نظیر ترکیب جس سے محض دلوں ہی کی ناپاکی دور نہیں ہوتی، بلکہ دنیا کے مالیات کا نظام بھی درست ہو جاتا ہے، جس سے محروم ہو کر تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ دنیا کے لوگ ایک دوسرے کا منہ نوچنے لگتے ہیں، تمہیں وہ اِس طرح مل گئی جیسے کسی حکیم حاذق کے بچے کو بغیر محنت کیے وہ نسخے مل جاتے ہیں جنہیں دوسرے لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح حج کا وہ عظیم الشان طریقہ بھی جس کا آج دنیا میں کہیں جواب نہیں ہے، جس سے زیادہ طاقتور ذریعہ کسی تحریک کو چار دانگِ عالم میں پھیلانے اور ابدالآباد تک زندہ رکھنے کے لیے آج تک دریافت نہیں ہو سکا ہے، جس کے سوا آج دنیا میں کوئی عالمگیر طاقت ایسی موجود نہیں ہے کہ آدم کی ساری اولاد کو زمین کے گوشے گوشے سے کھینچ کر خدائے واحد کے نام پر ایک مرکز پر جمع کر دے، اور بے شمار نسلوں اور قوموں کو ایک خدا پرست،

نیک نیت، خیر خواہ برادری میں پیوست کر کے رکھ دے، ہاں! ایسا بے نظیر طریقہ بھی، تمہیں بغیر کسی جستجو کے بنا بنایا اور صدہا برس سے چلتا ہوا مل گیا۔ مگر تم نے اِن نعمتوں کی کوئی قدر نہ کی کیونکہ آنکھ کھولتے ہی یہ تم کو اپنے گھر میں ہاتھ آگئیں۔ اب تم ان سے بالکل اُسی طرح کھیل رہے ہو جس طرح ہیرے کی کان میں پیدا ہونے والا نادان بچہ ہیروں سے کھیلتا ہے اور انہیں کنکر پتھر سمجھنے لگتا ہے۔ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے جس بُری طرح تم اس زبردست دولت اور طاقت کو ضائع کر رہے ہو اُس کا نظارہ دیکھ کر دل جل اٹھتا ہے۔ کوئی کہاں سے اتنی قوتِ برداشت لائے کہ پتھر پھوڑوں کے ہاتھوں جواہر کو برباد ہوتے دیکھ کر ضبط کر سکے؟

میرے عزیزو! تم نے شاعر کا یہ شعر تو سنا ہی ہوگا کہ

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود ۔۔۔ چوں بیاید ہنوز خر باشد

یعنی گدھا، خواہ عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر ہی کا کیوں نہ ہو، مکہ کی زیارت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر وہ وہاں ہو آئے تب بھی جیسا گدھا تھا ویسا ہی رہیگا۔

نماز روزہ ہو یا حج، یہ سب چیزیں سمجھ بوجھ رکھنے والے انسانوں کی تربیت کے لیے ہیں جانوروں کو سدھانے کے لیے نہیں ہیں۔ جو لوگ نہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھیں، نہ ان کے مدعا سے کچھ غرض رکھیں، نہ اُس فائدے کو حاصل کرنے کا ارادہ ہی کریں جو ان عبادتوں میں بھرا ہوا ہے، بلکہ جنکے دماغ میں ان عبادتوں کے مقصد و مطلب کا سرے سے کوئی تصور ہی نہ ہو، وہ اگر ان افعال کی نقل اس طرح اُتار دیا کریں کہ جیسا اگلوں کو کرتے دیکھا ویسا ہی خود بھی کر دیا، تو اس سے آخر کس نتیجہ کی توقع کی جا سکتی ہے؟ بدقسمتی سے عموماً آج کل کے مسلمان اسی طریقہ سے ان افعال کو ادا کر رہے ہیں۔ ہر عبادت کی ظاہری شکل جیسی مقرر کر دی گئی ہے ویسی ہی بنا کر رکھ دیتے ہیں، مگر وہ شکل روح سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر سال ہزارہا زائرین مرکزِ اسلام کی

طرف جاتے ہیں اور حج سے مشرف ہو کر پلٹتے ہیں، مگر نہ جاتے وقت ہی اُن پر وہ اصلی کیفیت طاری ہوتی ہے جو ایک مسافر حرم میں ہونی چاہیے، نہ وہاں سے واپس آکر ہی اُن میں کوئی اثر حج کا پایا جاتا ہے، اور نہ اِس سفر کے دوران میں وہ اُن آبادیوں کے مسلمانوں اور غیر مسلموں پر اپنے اخلاق کا کوئی اچھا نقش بٹھاتے ہیں، جن سے ان کا گذر ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اُن میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو اپنی گندگی، بے تمیزی، اور اخلاقی پستی کی نمائش کر کے اسلام کی عزت کو بٹہ لگاتے ہیں۔ انکی زندگی کو دیکھ کر بجائے اسکے کہ دین کی بزرگی کا سکہ غیروں پر جمے، خود اپنوں کی نگاہوں میں بھی وہ بے وقعت ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج خود ہماری اپنی قوم کے بہت سے نوجوان ہم سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اس حج کا فائدہ تو ہمیں سمجھاؤ۔ حالانکہ یہ حج وہ چیز تھی کہ اگر اسے اسکی اصلی شان کے ساتھ ادا کیا جاتا تو کافر تک اِس کے فائدوں کو علانیہ دیکھ کر ایمان لے آتے۔ کسی تحریک کے ہزاروں لاکھوں ممبر ہر سال دنیا کے ہر حصے سے کھنچ کر ایک جگہ جمع ہوں اور پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں، ملک ملک اور شہر شہر سے گذرتے ہوئے اپنی پاکیزہ زندگی، پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اخلاق کا اظہار کرتے جائیں، جہاں جہاں ٹھیریں اور جہاں جہاں سے گذریں وہاں اپنی تحریک کے اصولوں کا نہ صرف زبان سے پرچار کریں بلکہ اپنے اِحرام کے یونیفارم سے اور اپنی اِحرام بند زندگی سے اُن کا پورا پورا مظاہرہ بھی کریں، اور یہ سلسلہ دس بیس برس نہیں بلکہ صدیوں تک سال بسال چلتا رہے، بھلا غور تو کیجیے کہ یہ بھی کوئی ایسی چیز تھی کہ اسکے فائدے پوچھنے کی کسی کو ضرورت پیش آتی؟ خدا کی قسم، اگر یہ کام صحیح طریقہ پر ہوتا تو اندھے تک اس کے فائدے دیکھتے، بہروں کے کانوں میں بھی اس کے فائدے پہنچ جاتے، ہر سال کا حج ہزاروں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں کھینچ لاتا، اور لاکھوں غیر مسلموں کے دلوں پر اسلام کی بزرگی کا سکہ بٹھا دیتا۔ مگر برا ہو جہالت کا، جاہلوں کے ہاتھ پڑ کر کتنی بیش قیمت چیز کس بری طرح ضائع ہو رہی ہے۔

حج کے پورے فائدے حاصل ہونے کے لیے ضروری تھا کہ مرکز اسلام میں کوئی ایسا ہاتھ ہوتا جو اس عالمگیر طاقت سے کام لیتا، کوئی ایسا دل ہوتا جو ہر سال تمام دنیا کے جسم میں صالح خون دوڑاتا رہتا، کوئی ایسا دماغ ہوتا جو ان ہزاروں لاکھوں خداداد قاصدوں کے واسطے سے دنیا بھر میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کی کوشش کرتا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ہی ہوتا کہ وہاں خالص اسلامی زندگی کا ایک مکمل نمونہ موجود ہوتا اور ہر سال دنیا کے مسلمان وہاں سے صحیح دینداری کا تازہ سبق لے کر پلٹتے۔ مگر وائے افسوس کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ مدتہائے دراز سے عرب میں جہالت پرورش پا رہی ہے۔ نالائق حکمراں اپنے دین کے مرکز میں رہنے والوں کو ترقی دینے کے بجائے صدیوں سے پیہم گرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں، اور انہوں نے اہل عرب کو علم، اخلاق، تمدن، ہر چیز کے اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا، آج اُسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے، نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی زندگی ہے۔ لوگ دور دور سے بڑی گہری عقیدتیں لیے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں، مگر اس علاقہ میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بد اخلاقی، بدانتظامی، اور عام باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو انکی توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے اور اُلٹا کچھ کھو آتے ہیں۔ وہی پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ پر مسلط ہو گئی تھی، اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ختم کیا تھا، اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ کے منتظم پھر اُسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھر ان کے لیے جائداد بن گیا ہے اور اس گھر سے عقیدت رکھنے والوں کو وہ اسامی سمجھتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں تاکہ اسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں